چراغ حسن حسرت

(۱۹۰۲ء۔ ۱۹۵۵ء)

مولانا ظفر علی خاں

اب سے کوئی دس سال اُدھر کا ذکر ہے کہ میں اخبار ''نئی دنیا'' کے دفتر میں بیٹھا کام کر رہا تھا۔ اتنے میں کسی نے آ کے کہا کہ ''جمیندار صاحب آئے ہیں'' میں لنگی باندھے بیٹھا تھا۔ سر کے بال پریشان، ڈاڑھی کئی دن کی بڑھی ہوئی، ''جمیندار'' کا نام سنتے ہی ہڑبڑا کے اُٹھا، پوچھا ''کون جمیندار صاحب؟'' وہ بے چارا کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ مولانا شایق احمد عثمانی آئے اور کہنے لگے: ''بھئی، مولانا ظفر علی خاں آئے ہیں۔'' چچا صدیق انصاری نے، جو اپنے گدیلے پر بیٹھے پانوں کی جُگالی فرما رہے تھے، انگڑائی لی اور نیم باز آنکھوں سے، اِدھر اُدھر دیکھ کر ایک اور گلوری کلے میں دبالی۔ ان دنوں ''نئی دنیا'' کا دفتر چونا گلی میں ہوا کرتا تھا۔ سڑک کے کنارے ایک چھوٹا سا مکان تھا۔ باہر ایک طرف عصرِ جدید پریس، دوسری طرف حکیم غلام مصطفیٰ کا مطب۔ دروازے سے اندر گھسو تو داہنی طرف نئی دنیا آباد تھی اور بائیں طرف مولانا شائق احمد عثمانی نے پرانی دنیا بسا رکھی تھی، یعنی اپنے اہل و عیال اور عربی کی بھاری بھرکم کتابوں سمیت رہتے تھے۔ میں اس نئی دنیا کا کولمبس[1] تھا اور مقالۂ افتتاحیہ کے جہاز کے ساتھ ساتھ فکاہات کی کشتی بھی چلاتا تھا، افسوس کہ یہ محفل سال بھر کے اندر اندر برہم ہوگئی، نہ نئی دنیا رہی نہ پرانی دنیا، رہے نام اللہ کا۔

تھوڑی دیر میں مولانا ظفر علی خاں کھٹ کھٹ کرتے تشریف لائے۔ میں نے اُنھیں اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ تصویریں ضرور دیکھی تھیں لیکن تصویروں سے کسی شخص کی صورت شکل کے متعلق صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا، بہرحال اتنا تو یقین تھا کہ ان کی توند تو ضرور بڑھی ہوئی ہوگی۔ آخر جب معمولی کارکنوں کا قبہ شکم گنبد فلک سے ہمسری کرتا ہے تو مولانا ظفر علی خاں کو، جنھیں آل انڈیا لیڈر کی حیثیت حاصل ہے، ایک عدد گرانڈیل توند کا مالک ہونا چاہیے لیکن اُنھیں دیکھ کر سخت مایوسی ہوئی کہ توند نہ عمامہ، آخر یہ کیسے مولانا اور کیسے لیڈر ہیں؟ یہ راز لاہور آ کے کھلا کہ مولانا توند سے کیوں محروم رہے؟

غرض مولانا تشریف لائے اور آتے ہی سائمن کمیشن، ہندوستان کی جدید اصلاحات، راؤنڈ ٹیبل کانفرنس اور کامل آزادی کا قصہ چھیڑ دیا۔ مولانا شائق احمد عثمانی ان دنوں کانگرس سے باغی ہو چکے تھے اور سائمن کمیشن سے تعاون کے حامی تھے۔ اُن سے اس مسئلے پر بحثیں رہتی تھیں۔ اب مولانا نے یہ حکایت شروع کی تو پھر یہی بحث چھڑ گئی لیکن دراصل مجھے اس بحث سے چنداں دلچسپی نہ تھی۔

مولانا کے نزدیک آئینی کمیشن کا ہندوستان آنا بہت اہم واقعہ تھا اور ہمارے نزدیک مولانا ظفر علی خاں کا کلکتے

---

[1] مصنف ''کولمبس'' اور ''سندباد جہازی'' کے قلمی ناموں سے فکاہیہ کالم لکھا کرتے تھے۔

تشریف لانا بہت زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ اب کھینچا تانی شروع ہوئی۔ میں چاہتا تھا کہ مولانا شعروشاعری کی طرف آئیں اور مولانا ہم سب کو سیاست کی طرف کھینچے لیے جاتے تھے۔ میں نے غالبؔ کا نام لیا، مولانا نے برکن ہیڈ کا ذکر شروع کر دیا...... بس اب یہ کیفیت تھی کہ میں اُنھیں میرؔ کی طرف لاتا ہوں اور وہ مجھے بالڈوِن کی طرف لیے جاتے ہیں، میں کہتا ہوں غالبؔ، وہ فرماتے ہیں سائمن، غرض دیر تک یہی جھگڑا رہا، آخر مولانا کو فتح ہوئی، یعنی ہم نے مجبوراً شعروادب کا پنڈ چھوڑا اور خاموشی سے اُن کی باتیں سننے لگے۔

میں لاہور آیا تو کچھ دنوں زمیندار کے دفتر میں بھی قیام رہا۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ کسی نے پچھلے پہر میرا شانہ ہلایا۔ میں آنکھیں ملتا ہوا اُٹھ بیٹھا۔ لیکن ابھی صبح کاذب تھی، ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ صرف اتنا معلوم ہوا کہ کوئی شخص میرے سرہانے کھڑا ہے، میں گھبرایا کہ الٰہی یہ کیا ماجرا ہے، اتنے میں مولانا کی آواز آئی کہ اٹھو میرے ساتھ سیر کو چلو۔ میں سمجھ گیا کہ مولانا سیر کو جارہے ہیں اور مجھے شرفِ رفاقت بخشنا چاہتے ہیں، لیکن خدا بھلا کرے قاضی احسان اللہ مرحوم کا، اُنھوں نے مجھے پہلے ہی بتا رکھا تھا کہ اگر مولانا تمھیں اپنے ساتھ سیر کو لے جانا چاہیں تو ہرگز نہ جائیو، میں نے پوچھا، یہ کیوں؟ کہنے لگے وہ تو پچھلے پہر اٹھ کر نہر کے کنارے میلوں دوڑتے ہی چلے جاتے ہیں، پھر ڈنٹر پیلتے ہیں، تم ساتھ گئے تو تمھیں بھی دوڑائیں گے اور جب تم نڈھال ہو جاؤ گے تو اپنے ساتھ نماز پڑھائیں گے۔ اب جو مولانا نے ساتھ چلنے کو کہا تو قاضی صاحب کی نصیحت یاد آگئی اور آنکھوں تلے موت کا نقشہ پھر گیا۔ میں نے نہایت مضمحل آواز میں کہا کہ ''مولانا! میں تو...... میں تو سخت بیمار ہوں۔ رات بخار ہو گیا تھا۔ اب سر میں سخت درد ہے۔ پیٹ میں بھی درد ہو رہا ہے۔ غالباً قولنج[1] ہے۔ مجھے پہلے بھی یہ مرض ہو چکا ہے...... ہائے اللہ'' یہ کہ کر میں نے آنکھیں بند کر لیں۔

یہ تدبیر کارگر ہوئی۔ مولانا نے مجھ سے ہمدردی ظاہر کی۔ علاج کے متعلق چند معقول مشورے دیے اور تشریف لے گئے۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور جی میں تہیہ کر لیا کہ اب دفتر میں نہیں رہوں گا۔ اب یہ بات بھی سمجھ میں آگئی کہ مولانا توند سے کیوں محروم ہیں۔

آگے چل کر معلوم ہوا کہ انھیں صرف دوڑنے اور ڈنٹر پیلنے کا ہی شوق نہیں، مگدر بھی ہلاتے ہیں، نیزہ بازی اور شہسواری میں بھی برق ہیں، پیراکی اور کشتی گیری میں بھی بند نہیں، نشانہ بھی اچھا لگاتے ہیں۔ حیدرآباد کی ملازمت کے زمانے میں کچھ دن فوج میں بھی رہے۔ یہ قصہ عجیب ہے، سپاہی نیزہ بازی کے کرتب دکھا رہے تھے ان کی بھی طبیعت لہرائی۔ گھوڑے پر سوار ہو کے نیزہ تانا اور آن کی آن میں میخ اکھیڑ لی۔ ہر طرف سے تحسین وآفرین کا غلغلہ ہوا اور اُن کی خدمات فوج کے صیغے میں منتقل کر دی گئیں، لیکن افسر الملک سے نباہ نہ ہو سکا، اس لیے استعفا دے دیا۔

ایک مرتبہ ایک صاحب کہنے لگے کہ مولانا ظفر علی زبان اور محاورے کے استاد ہیں۔ اشعار کی بندش خوب ہوتی

---

1 ایک شدید درد جو قولون Colon (بڑی آنت) میں ہوتا ہے انگریزی میں اسے Appendicitis کہتے ہیں۔

لیکن ان کے ہاں حقیقی شاعری بہت کم ہے۔ میں نے کہا ذرا بجیرۂ قلزم، لندن کی ایک صبح، رامائن کا ایک سین، پڑھ کر دیکھیے۔ کہنے لگے: ''میں نے تو یہ نظمیں نہیں پڑھیں لیکن مولانا کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا قلب عشق و محبت کے لطیف جذبات سے خالی ہے۔'' میں نے گفتگو کا پہلو بدل کر شعر خوانی شروع کر دی۔ پہلے فارسی کے ایک دو شعر سنائے۔ جب وہ جھومنے لگے تو شاد کا یہ شعر پڑھا۔

؎ دیکھا کیے وہ مست نگاہوں سے بار بار
جب تک شراب آئی کئی دور ہو گئے

انھوں نے دو تین مرتبہ یہ شعر پڑھوایا۔ میں نے پھر کہا۔

؎ سلیقہ مے کشی کا ہو تو کر سکتی ہے محفل میں
نگاہِ مستِ ساقی مفلسی کا اعتبار اب بھی

وہ شعر سن کر تڑپ گئے۔ کہنے لگے ''کس کا شعر ہے؟'' میں نے پوچھا ''جو شخص ایسا شعر کہ سکتا ہے اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟'' کہنے لگے ''اس کے شاعر ہونے میں کیا شک ہے۔'' میں نے کہا '' تو پھر سن لیجیے کہ یہ شعر مولانا ظفر علی خاں کا ہے۔'' یہ سن کر ان کا اوپر کا سانس اوپر اور تلے کا تلے رہ گیا۔

دراصل مولانا کی شاعری پر تنقید کرنا میرا موضوع نہیں۔ یونہی برسبیلِ تذکرہ یہ باتیں آ گئیں۔ مجھے تو یہ کہنا ہے کہ مولانا نے اپنی تمام نظمیں بہت تھوڑے وقت میں کہی ہیں۔ شاید ہی کوئی نظم ایسی ہو جو انھوں نے گھنٹے دو گھنٹے میں کہی ہو، ورنہ ایک نظم پر عموماً آدھ گھنٹے سے زیادہ وقت صرف نہیں ہوتا۔ ''پتھر نکال۔ ہمسر نکال'' بڑے معرکے کی نظم ہے۔ سترہ شعر ہیں جو گھنٹے بھر میں لکھے گئے ہیں۔ اس کا آخری شعر مجھے نہیں بھولتا۔

؎ تو غزل خوانی پہ آجائے تو ہے خواجوئے وقت
زلفِ عنبر بار سے کژدُم بکھیر اژدر نکال

ہم نے اکثر شاعروں کو دیکھا ہے کہ شعر کہنا چاہتے ہیں تو شفا الملک حکیم فقیر محمد صاحب چشتی سے رجوع کرتے ہیں اور ہفتے بھر کا مُسہل لے لیتے ہیں اور پھر فی یوم ایک شعر کے حساب سے کہتے چلے جاتے ہیں، یہ نہیں کرتے تو بیوی کو پیٹتے ہیں یا اس سے پٹتے ہیں، بچوں کو جھڑکتے ہیں، ذرا گھر میں شور ہوا اور وہ سر کے بال نوچنے لگے۔ ''ہائے عنقائے مضمون دام میں آ کے چلا گیا۔ کم بختو! ملعونو! تمھارے شور نے اسے اڑا دیا۔'' مولانا ظفر علی خاں کا یہ حال نہیں، جس طرح ہم اور آپ نثر لکھتے ہیں اسی طرح وہ شعر کہتے چلے جاتے ہیں۔

مولانا جب تک دفتر میں رہتے تھے بڑی چہل پہل رہتی تھی۔ نظم لکھی اور پکار کے کہا کہ ''بلاؤ قاضی کو، بلاؤ اختر کو، کہاں ہے زاہدی، کہاں ہے حسرت؟'' سب جمع ہوئے اور مولانا نے نظم پڑھ کے سنائی اور پھر انھیں نت نئی تجویزیں

سوجھتی رہتی تھیں جو دو تین دن کے چرچے میں غائب غلّہ ہو جاتی تھیں۔ ہم میں سے کوئی اچھا شعر کہتا یا کوئی اچھا مضمون لکھتا، تو تعریف کر کے دل بڑھاتے اور انعام بھی دیتے۔ ایک مرتبہ راقم نے فکاہات لکھے، بہت خوش ہوئے، بٹوا نکال کے دے دیا اور کہنے لگے: ''اس میں جو کچھ ہے لے لو۔'' لیکن اکثر لوگ پھر بھی دعائیں مانگتے رہتے تھے کہ اللہ کرے مولانا کہیں دور چلے جائیں اور عموماً یہ دعائیں قبول ہی ہوتی تھیں۔

اصل میں مولانا کو اخبار کی زبان اور کتابت کی صحت کا بڑا خیال رہتا تھا۔ کاتبوں کی جان الگ آفت میں، ایڈیٹر الگ مصیبت میں مبتلا، جب تک مولانا دفتر میں ہیں، غل غپاڑا مچا ہوا ہے۔ جوں ہی کاپی پر نظر پڑی شور مچ گیا۔ ''ارے یہ کیا کیا؟ یہ عبارت تو بالکل مہمل ہے۔ اس مراسلے کی تصحیح نہیں ہوئی، یوں ہی کاتب کو دے دیا گیا ہے۔ خبروں کی عبارت چست نہیں۔ کتابت کی غلطیاں تو دیکھو، ایک کالم میں پچاس پچاس غلطیاں اور کتابت کیسی عجیب ہوئی ہے، کوئی دائرہ بھی تو صحیح نہیں، غضب خدا کا، قرآن کی آیت غلط لکھ دی، اتنا خیال نہ آیا کہ کلامِ الٰہی ہے، ستیاناس کر دیا اخبار کا، ان تمام کاپیوں کو جلا دو، از سرِ نو اخبار مرتب نہیں ہو سکتا، اعلان کر دو کہ کل اخبار نہیں نکلے گا۔ بلاؤ اختر کو، اختر! اختر کہاں ہے؟ کہاں ہے قاضی؟ قاضی! بند کر دو جی اخبار کو! بند کر دو! میں یوں اخبار نہیں نکالنا چاہتا......''

(مردمِ دیدہ)

سوالات

۱۔ مختصر جواب لکھیے:

الف۔ کیا سبب تھا کہ مولانا توند سے محروم تھے؟

ب۔ صبحِ کاذب کے وقت مولانا ظفر علی خاں کے معمولات کیا تھے؟

ج۔ مصنف صبح کے وقت مولانا کے ساتھ سیر پر جانے سے کیوں گریزاں تھے؟

د۔ سبق میں مولانا کی کن کن نظموں کا ذکر آیا ہے؟

ہ۔ مولانا ظفر علی خاں شعر یا نظم کہنے میں کتنا وقت صرف کرتے تھے؟

و۔ مصنف کے خیال میں عام شاعر حضرات شعر کہنے سے پہلے کیا انداز اختیار کرتے ہیں؟

ز۔ مولانا ظفر علی خاں اپنے اخبار میں لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کس طرح کرتے تھے؟

ح۔ کتابت اور زبان کی غلطیاں اور کمزوریاں دیکھ کر مولانا کس ردِ عمل کا اظہار کرتے تھے؟

۲۔ مندرجہ ذیل جملوں کی وضاحت اپنے الفاظ میں کیجیے:

الف۔ اپنے گدیلے پر بیٹھے پانوں کی جگالی فرما رہے تھے۔

ب۔ قُبّہ شکم گنبدِ فلک سے ہمسری کرتا ہے۔

ج۔ آنکھوں تلے موت کا نقشہ پھر گیا۔

د۔ ہر طرف سے تحسین و آفرین کا غُلغلہ بلند ہوا۔

ہ۔ نیزہ بازی اور شہسواری میں بھی برق ہیں۔

و۔ یہ سن کر اُن کا اوپر کا سانس اوپر اور تلے کا تلے رہ گیا۔

ز۔ ہائے عنقائے مضمون دام میں آ کے چلا گیا۔

۳۔ مندرجہ ذیل محاورات کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کیجیے کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے:

محفل برہم ہونا، کھینچا تانی ہونا، پنڈ چھوڑنا، ڈنٹر پیلنا، برق ہونا، طبیعت لہرانا، غائب غُلّہ ہو جانا، غُل غپاڑا مچانا

۴۔ متن کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے خالی جگہ کے لیے مناسب لفظ کا انتخاب کیجیے۔

الف۔ میں اس نئی دنیا کا ---------- تھا۔

(دریافت کنندہ، واسکوڈی گاما، کولمبس)

ب۔ نہ نئی دنیا رہی نہ پرانی دنیا۔ رہے نام -------- کا۔

(اللہ، خدا، رب)

ج۔ مولانا نے اپنی تمام نظمیں بہت ---------- وقت میں کہی ہیں۔

(تھوڑے، زیادہ، مناسب)

د۔ مولانا ظفر علی خاں زبان اور محاورے کے ------------ ہیں۔

(فنکار، استاد، ماہر)

ہ۔ مولانا جب تک دفتر میں رہتے تھے بڑی -------- رہتی تھی۔

(سراسیمگی، چہل پہل، افسردگی)

۵۔ مندرجہ ذیل اقتباسات کی تشریح سیاق و سباق کے حوالے سے کیجیے:

الف۔ اُن دنوں نئی دنیا کا دفتر ---------- رہے نام اللہ کا۔

ب۔ ہم نے اکثر شاعروں کو دیکھا ہے ----- شعر کہتے چلے جاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆